اسلام میں حسن معاشرت کی تعلیم

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست اسلام میں حسن معاشرت کی تعلیم

اسلام میں حسن معاشرت کی تعلیم

اسلام میں حسن معاشرت کی تعلیم

اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے جس میں انسانی ضرورت کا پورا پورا سامان موجود ہے اورانسانی زندگی کے تمام ابواب اور شعبوں میں رہنمائی کے مکمل اسباب پائے جاتے ہیں۔اسلام صرف پوجا پاٹ کا مذہب نہیں، وہ صرف عبادت خانوں میں محصور نہیں، وہ خانقاہوں میں مقیّد نہیں، وہ صرف انسان کا نجی مسئلہ نہیں اور وہ صرف راہبوں کا دین نہیں۔ بلکہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے، اس کے مخاطب بادشاہ بھی ہیں، وزراء بھی ہیں مالدار بھی ہیں، غریب بھی ہیں، وہ دین اسلام جس طرح انسان کی نجی وذاتی زندگی میں اس کا رہنما ہے،اسی طرح وہ اس کو بازاروکاروبار کی دنیا میں بھی، ملازمت کے میدان میں بھی، صنعت وحرفت کے میدان میں بھی، سیاست کے میدان میں بھی، ہر جگہ رہنمائی کرتا ہے۔

ایک انسان کو اسلام معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے کیا تعلیم دیتا ہے؟ یہی اس مضمون کا موضوع ہے جس کو جاننا اور سمجھنا آج کے دور میں نہایت ضروری ہے۔

آج کی ضرورت:

کیونکہ آج لوگوں کی معاشرتی زندگی نہایت خراب وخستہ ہے،حتی کہ دیندار لوگوں میں بھی یہ کمی پائی جاتی ہے۔نماز، روزہ کی پابندی، زکوۃ کا اہتمام اور حج پر حج کا سلسلہ جاری ہے،مگر معاشرت دیکھو تو اس کی حالت نہایت ابتر ہے،جسکی وجہ سے آئے دن فسادات اور جھگڑے رونما ہوتے رہتے ہیں، خاندانوں میں، دوستوں میں، پڑوسیوں میں، دیگر متعلقین میں نا اتفاقی کی فضا قائم رہتی ہے۔غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کی وجہ اور واحد وجہ یہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی زندگی کے لیے جو اصول وضوابط اور جو طریقہ کار دیا تھا ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔اگر سکون وراحت اور چین

کی زندگی مطلوب ہے تو ضروری ہے کہ اس نظامِ کار کو اختیار کیا جائے جو اسلام نے معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے عطا فرمایا ہے۔

حسن معاشرت کے دو اصول:

اسلام چاہتا ہے کہ انسان حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارے۔ چنانچہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْف﴾[النساء:۱۹]

(بیویوں کے ساتھ معروف اور عمدہ طریقہ پر گزران کرو)

اور والدین کے ساتھ عمدہ طریقہ پر رہنے اور زندگی گزارنے کی تعلیم حضرت لقمان کی زبانی دی گئی، اور فرمایا:

﴿وَصَاحِبْهُمَافِي الدُّنْيَامَعْرُوْفاً﴾[لقمان:۱۰]

(والدین کے ساتھ دنیا میں عمدہ طریقہ پر رہو)

اسی طرح تمام مسلمانوں اور تمام انسانوں کو بھائی بھائی بن کر محبت واخوت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''كُوْنُوْاعِبَادَاللّٰهِ اِخْوَاناً '' (اے اللہ کے بندو: تم بھائی بھائی بن کر رہو)۔(۱)

یہ حسن معاشرت کی تعلیم جو قرآن وحدیث میں دی گئی ہے، دو اصولوں پر مبنی ہے: ایک یہ کہ جس انسان کا جو حق شریعت نے دیا ہے اس کو وہ حق پورا پورا دیا جائے والدین کا حق، بیوی کا حق، شوہر کا حق، اولاد کا حق، استاد کا حق، پڑوسیوں کا حق، رشتہ داروں کا حق اور دوستوں کا حق وغیرہ۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنا حق معاف کردے اور اس سلسلہ میں حسن اخلاق سے پیش آئے۔

عام طور پر دنیا میں جو فساد و جھگڑا ہوتا ہے وہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کا

(۱) بخاری:۸۹۶/۲، مسلم:۳۱۵/۲

نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ اپنا حق وصول کرنے پر تو زور لگاتے ہیں، مگر دوسروں کا حق دینے پر آمادہ نہیں ہوتے جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے تھا۔

حقوق وفرائض کی اہمیت:

ہمارے ذمہ دوسرے لوگوں کے جو حقوق وفرائض ہیں، ان کی ادائیگی ایک تو اس لحاظ سے ضروری ہے کہ دنیا میں حسن معاشرت اس کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے اس لیے کہ ان حقوق کے ادا نہ کرنے پر قیامت میں سخت باز پرس بھی ہوگی۔ لہذا حقوق وفرائض کی اہمیت دنیوی اعتبار سے بھی ہے اور اُخروی اعتبار سے بھی ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بھائی نے دوسرے بھائی پر کوئی ظلم کیا، یعنی اس کی حق تلفی کی، اس کو چاہئے کہ وہ دنیا ہی میں اس سے معافی مانگ لے ورنہ قیامت کے دن تاوان ادا کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی درہم و دینار نہ ہوگا، صرف اعمال ہوں گے۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں گے۔ (۱)

معلوم ہوا کہ حقوق کے تلف کرنے پر قیامت کے دن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے اس سے قبل دنیا میں معافی مانگ لینا چاہئے۔ غرض اسلام میں حقوق کی بڑی اہمیت ہے، اخروی لحاظ سے بھی اور دنیوی لحاظ سے بھی۔ اسلام نے بہت سارے لوگوں کے حقوق بتائے ہیں، مگر یہاں صرف چند لوگوں کے حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے معاشرتی زندگی میں زیادہ سے زیادہ سابقہ پڑتا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن معاشرت:

والدین سے انسان کا تعلق پیدائش سے پہلے سے قائم ہو جاتا ہے، جب کہ وہ ابھی باپ کی صلب میں منی کے قطرات کی شکل میں تھا اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر رحم

(۱) بخاری:۲/۷ ۹۶

مادر میں قرار پکڑا۔اسی لیے اللہ ورسول کے بعد پوری کائنات میں سب سے بڑا کسی کا حق انسان پر ہے تو والدین کا حق ہے۔اسلام نے ان کے حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ان کے حقوق کا خلاصہ چار چیزیں ہیں: عظمت، محبت، خدمت اور اطاعت۔

ان کی عظمت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے''۔(۱)

ان سے محبت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ'' جو شخص اپنے والدین کو نظر رحمت سے دیکھے گا اس کو ہر نظر پر ایک حج مبرور کا ثواب دیا جائے گا''۔(۲)

ان کی خدمت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ایک صحابی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں جہاد کا ارادہ کرر ہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں، فرمایا کہ '' **فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ**''کہ تو ان کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کر۔(۳)

اور ان کی اطاعت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''ان کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے''۔(۴)

یہ چند اشارے ہیں، میں تفصیل سے بچتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ والدین کے یہ حقوق ہیں، ان کو ادا کرنے سے ظاہر ہے کہ والدین کو خوشی ہوگی اور وہ سکون سے رہیں گے تو خود کو بھی سکون معلوم ہوگا اور معاشرتی زندگی میں لطف ومزہ آئے گا۔یہ ایک اصول ہوا۔دوسرا اصول یہ ہے کہ والدین کی طرف سے اگر خلاف طبیعت بات پیش آئے تو وہاں اپنا حق معاف کرتے ہوئے، اسی طرح ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے جیسے پہلے سے کرتا آیا ہے۔ یہ نہیں کہ اب اپنے حق کو حاصل کرنے پر زور دے، کیونکہ اس سے حسن معاشرت قائم نہیں رہ سکتی۔اسی لیے

(۱) نسائی:۲/۵۳، مشکوٰۃ:۴۲۰ (۲) مشکوٰۃ:۴۲۱ (۳) الادب المفرد:۱۱ (۴) بخاری:۲/۸۸۴

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ نے فرمایا کہ اگر والدین کو کوئی غصہ دلاتا ہے تو اللہ اس سے غصہ وغضب میں آتا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ والدین نے اگر ظلم کیا ہو تب؟ فرمایا کہ اگرچہ والدین نے ہی ظلم کیوں نہ کیا ہو تب بھی ان کو غصہ دلانا خدا کے غضب کا باعث ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ حسن معاشرت کو قائم رکھنے کے لیے ایک طرف والدین کے حقوق جو ہمارے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا ضروری ہے۔ دوسرے اگر ہمارے حقوق میں ان سے کوتاہی ہو جائے تو درگذر سے کام لینا چاہئے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ دین وآخرت کے ساتھ انسان کی دنیا بھی بن جاتی ہے اور دنیا ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔

❁ میاں اور بیوی کی معاشرت:

اب لیجئے ازدواجی زندگی کو۔ میاں بیوی کا تعلقِ زوجیت ایک اہم اور قابل قدر تعلق ہے۔ اس لیے اسلام نے اس تعلق کو ہر ممکنہ تدبیر سے قائم وباقی رکھنے کی تعلیم دی ہے اور اس تعلق کو خوش گوار و پرلطف بنانے کی تعلیم دی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس تعلق کو مؤدت ومحبت اور رحمت کا تعلق قرار دیا ہے۔

اس تعلق کو خوش گوار بنانے کے لیے ایک طرف بیوی کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اپنے شوہر کو اپنا سردار وحاکم خیال کرے "**الرجال قوامون علی النساء**" اور عزت اور مرتبہ کا پاس رکھے۔ حدیث میں فرمایا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے مرد کو سجدہ کرے۔ (۲)

نیز اس کو تعلیم دی گئی کہ مرد کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ حدیث میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بہتر عورت

---

(۱) الادب المفرد: ۱۱ (۲) ابوداؤد: ۲۹۱

کون ہے؟ فرمایا کہ ''وہ عورت جو اپنے شوہر کو خوش کردے جب وہ اس کو دیکھے، اوراس کی اطاعت کرے جب وہ حکم دے، اوراس کی مرضی کے خلاف اپنے مال ونفس کو استعمال کر کے اس کی مخالفت نہ کرے۔''(۱)

دوسری طرف مردوں کو تعلیم دی گئی کہ ''عورتوں کے ساتھ بھلائی وخیریت کے ساتھ پیش آؤ۔'' اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ

''مجھ سے عورتوں کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو۔''(۲)

اور فرمایا کہ'' عورت میں کچھ کمی وعیب ہو تو درگزر کرتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گزارو، اگر تم اس کو بالکل سیدھا کرنے جاؤ گے تو پسلی کی طرح وہ ٹوٹ جائے گی۔''(۳)

نیز مردوں کو حکم دیا گیا کہ ''عورتوں کی کوئی عادت ناپسند بھی ہے تو ان سے بغض نہ رکھو۔''(۴)

پھر مردوں کو بتایا کہ ''عورت دنیا میں سب سے بہترین چیز ہے''(۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''مجھے تین چیزوں سے محبت ہے ایک عطر، دوسرے عورت، تیسرے نماز۔''(۶)

نیز عورتوں کے نان ونفقہ کے حقوق مرد کے ذمہ رکھے گئے اور بتایا گیا کہ ''جتنے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، اتنے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر بھی ہیں۔''(البقرہ:۲۲۸)

تو اسلام نے میاں بیوی دونوں کے حقوق بتائے ہیں اور ایک کو دوسرے کے سامنے باعزت طریقہ پر پیش کیا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھ کر حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے۔

---

(۱) نسائی:۲/۷۱ (۲) بخاری:۲/۷۷۹، مسلم:۱/۴۷۵ (۳) ایضا

(۴) مسلم:۱/۴۷۵ (۵) نسائی:۲/۷۱ (۶) مشکوۃ:۲۶۷

❁ رسول اکرمؐ کی معاشرت:

اور خود اللہ کے رسول علیہ السلام نے ہمارے لیے بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اس سلسلہ میں بہت سارے واقعات موجود ہیں، مگر سب کا احاطہ نہ ممکن ہے اور نہ ضروری۔ لہٰذا چند واقعات پیش کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت بے تکلفی اور دلبستگی سے رہتے تھے۔ اپنے گھر میں اپنا کام خود کر لیتے تھے اور اس طرح رہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جیسے عام آدمی رہتے ہیں۔ (۱)

نیز ازواج مطہرات کے ساتھ مزاح بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک سفر کے موقع پر دوڑ لگائی۔ حضرت عائشہ کم سن اور خفیف بدن کی تھیں، لہٰذا وہ آگے بڑھ گئیں، پھر کسی موقع پر اسی طرح آپ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی، مگر اب حضرت عائشہ کا بدن بھاری ہو گیا تھا، لہٰذا اللہ کے نبیؐ ان پر سبقت لے گئے اور فرمایا کہ یہ پہلی دفعہ کا بدلا ہے۔ (۲)

یہ ہے حسن معاشرت کہ اتنے بڑے رسول ہو کر آپ ازواج مطہرات کی اتنی رعایت فرما رہے ہیں، حضرت عائشہ چوں کہ چھ برس میں آپ سے بیاہی گئیں اور نو سال کی عمر میں آپ کی رخصتی ہوئی تھی تو طبیعت میں ابھی بچپن تھا، اللہ کے رسول ﷺ ان کی رعایت کرتے اور ان کو کھلونوں میں اپنی ساتھنوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع دیتے تھے۔ (۳)

ایک مرتبہ آپ کی ازواج نے آپ سے نفقہ کا مطالبہ کیا اور آپ کے پاس جمع ہو گئیں اور زور زور سے آپ سے باتیں کرنے لگیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ کی آواز سننا تھا کہ سب اٹھ کر پردہ میں

(۱) شمائل ترمذی:۲۳ (۲) ابوداؤد، حمیدی:۱/۱۲۸ (۳) بخاری:۹۰۵، مشکوۃ:۱۲۸، حمیدی:۱/۱۲۸

ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ اندر آئے، جب کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنی عورتوں کی اس حرکت پر ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ کو اللہ ہنستا رکھے، کیا بات ہے؟ فرمایا کہ مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ یہ میرے پاس تھیں، جب تمہاری آواز معلوم ہوئی تو سب پردہ میں چلی گئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! آپ زیادہ حقدار تھے کہ یہ آپ سے خوف کھاتیں، پھر آپ ازواج کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے کہ تم اے اپنے نفس کی دشمنو! مجھ سے تو ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں؟ ازواج نے فرمایا کہ اے عمرؓ! رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں آپ بہت سخت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے اور تم جس راستے پر جاتے ہو شیطان وہاں سے دوسرے راستہ کو چلا جاتا ہے۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی معاشرت اپنی ازواج کے ساتھ کیسی تھی؟ آپ ان کی کس قدر رعایت فرماتے تھے آپ نے خود ہی فرمایا کہ میں تم میں اپنی ازواج کے ساتھ سب سے زیادہ بااخلاق ہوں (حدیث) کبھی آپ ازواج مطہرات سے کہانیاں بھی سنتے ان کی باتیں سن کر ہنستے۔ (۲)

ایک عجیب واقعہ حدیث کی کتابوں میں آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اکرم ﷺ کے لیے حریرہ بنا کر لائیں۔ حضرت سودہؓ بھی حاضر تھیں، حضرت عائشہؓ نے حضرت سودہؓ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں کھاتیں تو میں یہ حریرہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ پھر بھی حضرت سودہؓ نے انکار کیا تو حضرت عائشہؓ نے حریرہ میں ہاتھ ڈال کر ان کے چہرہ پر اس کو مل دیا اور یہ دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ ہنسے اور حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ اب تم ان کے چہرے پر مل دو اور حضرت نبی کریم ﷺ برابر ہنستے رہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری:۸۹۹/۲ (۲) شمائل:۱۷، بخاری:۷۷۹/۲ (۳) حیاۃ الصحابہ:۷۹۹/۲

ہماری معاشرت پر ایک نظر

ظاہر ہے کہ ایسی معاشرت کے ساتھ جھگڑے اور فساد کا کوئی مطلب نہیں۔ گھر جنت کا ایک نمونہ ہوگا۔ مگر افسوس کہ آج ہماری معاشرت ایسی ہے کہ کسی کو کسی سے اطمینان وسکون میسر نہیں، اگر میاں، بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے تو بیوی اس کے حقوق ادا نہیں کرتی، اور اگر بیوی ادا کرتی ہے تو شوہر ادا نہیں کرتا، پھر ہر ایک صرف اپنا حق مانگتا ہے، دوسرے کے حقوق کی کمی کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ایسی صورت حال میں آپسی نزاعات کی فضاء قائم نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا؟ اسی لیے آج طلاقوں کی بھرمار ہے، خلع کی بھرمار ہے، اگر زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی فکر کرے تو سرے سے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت:

اسلام نے حسن معاشرت کی جو تعلیم دی ہے، اس میں ایک چیز بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت بھی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم وتوقیر نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔(۱)

اس میں حسن معاشرت کے قیام کا بڑا اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں سے رحمت ومحبت وشفقت کا معاملہ کریں اور چھوٹوں کو چاہئے کہ وہ بڑوں سے عظمت وتوقیر کا برتاؤ کریں بڑوں میں والدین اور ان کے ہم رتبہ رشتہ دار جیسے چچا، تایا، ماموں، پھوپھی، خالہ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ اسی طرح غیروں میں سے جو عمر میں، تجربہ میں، علم میں، بزرگی وتقویٰ میں، بڑے ہوں، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ جیسے استاذ، پیر، عالم، بوڑھے لوگ وغیرہ۔ اس طرح چھوٹوں سے جہاں اپنی اولاد مراد ہوگی، وہیں اولاد کی حیثیت رکھنے

(۱) ادب المفرد: ۵۷

والے رشتہ دار بھی مراد ہوں گے۔ جیسے بھائی و بہن کی اولاد وغیرہ۔ نیز شاگرد، مرید، اور عمر میں چھوٹے سب ہی لوگ مراد ہوں گے۔ اب خیال تو کیجئے کہ اگر ان بڑوں کی طرف سے چھوٹوں پر شفقت ورحمت کا معاملہ ہوگا اور چھوٹوں کی جانب سے بڑوں کے ساتھ عظمت واجلال کا برتاؤ ہوگا، تو معاشرت میں حسن نہ پیدا ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

سیرت محمدی ﷺ سے سبق:

اب ذرا سیرت محمدی ﷺ میں حسن معاشرت کا باب کھول کر دیکھئے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ کس طرح معاملہ فرمایا ہے۔

حضرت ابوطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام جوانہ میں رسول اللہ ﷺ کو گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا، ناگہاں ایک عورت آئی اور آپ علیہ السلام کے قریب ہوگئی، آپ نے اپنی چادر اس عورت کے لیے بچھائی اور وہ اس پر بیٹھ گئی، حضرت ابوطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورت ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وہ ماں ہیں، جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ (۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد حضرت ابوقحافہؓ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے، اور کافی بڑی عمر کے آدمی تھے، ان کے ایمان لانے کا واقعہ کتب سیرت میں تفصیل سے آیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے والد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ یہ میرے والد ہیں اور ایمان قبول کرنے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ ابوبکر! آپ نے ان کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ (۲)

ان واقعات سے نبی کریم ﷺ کا بڑوں کی تعظیم وتوقیر کرنا معلوم ہوا، سی کے

(۱) مشکوۃ: ۴۲۰ (۲) سیرت ابن ہشام: ۴۰۶/۲

ساتھ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسروں کو بھی برابر اس کی تعلیم دیا کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت محیصہ بن مسعود، حضرت حویصہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمان بن سہل رضی اللہ عنہم تینوں صحابہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عبدالرحمٰن بن سہلؓ کی عمر باقی دوصحابہ کے مقابلے میں کم تھی، مگر اللہ کے نبی علیہ السلام سے انہی نے گفتگو شروع کی، تو اللہ کے نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا ''کبّر کبّر'' یعنی بڑوں کو بات کرنے دو، بڑوں کو بات کرنے دو، یہ سن کر حضرت عبدالرحمان خاموش ہو گئے۔ (۱)

اسی طرح علماء وعقلاء کی تعظیم کا سبق بھی آپ نے دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ (نماز میں) مجھ سے وہ لوگ قریب رہیں جو علم وعقل والے ہیں۔ (۲)

غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ نے یہ تعلیم قولاً وعملاً دی ہے کہ بڑوں کی عظمت وتوقیر کی جائے اور ان کے اکرام واجلال کو مدنظر رکھا جائے۔

❁ بچوں پر نبی کریم ﷺ کی شفقت:

یہ تو بڑوں کے ادب وتعظیم کی تعلیم دی اور دوسری طرف آپ ﷺ نے بچوں اور چھوٹوں سے شفقت ورحمت کا معاملہ وبرتاؤ کر کے اس کی تعلیم بھی دی ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ آئے، اس وقت آپ نے حضرت حسن بن علیؓ کو جو بچے تھے پیار کیا۔ حضرت اقرع نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں؟ میرے دس لڑکے ہیں، لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ان ہی سے

---

(۱) ریاض الصالحین: ۱۴۲، الادب المفرد: ۵۷ (۲) مسلم: ۱/۱۸۱

آپ نے فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں، اگر خدا نے تمہارے دل سے رحمت وشفقت کو نکال لیا ہے۔ (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کسی کو بچوں پر شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ (۲)

آپ کا بچوں پر شفقت کا یہ حال تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں، مگر جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، اس خیال سے کہ اس کی ماں کہیں پریشان نہ ہو جائے اور وہ غم میں نہ پڑ جائے۔ (۳)

بچوں سے آپ کے پیار کے عجیب واقعات کتابوں میں آئے ہیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ ممبر پر خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، اسی دوران آپ کے نواسے حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما لال قمیصوں میں ملبوس مسجد میں آئے، ان کو دیکھ کر آپ نے خطبہ قطع فرما دیا اور ممبر سے اتر کر ان دونوں کو اٹھا لیا اور ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے سچ کہا ہے کہ تمہارے اموال واولاد فتنہ ہیں۔ میں نے ان دونوں کو قمیصوں میں دیکھا تو صبر نہ آیا، لہٰذا میں نے ان کو اٹھا لیا۔ (۴)

کبھی آپ بچوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے تھے اور کبھی اسی حالت میں نماز بھی پڑھتے تھے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ہماری طرف تشریف لائے اور آپ کے کندھے پر آپ کی نواسی امامہؓ بیٹھی ہوئی تھیں، آپ نے اسی حالت میں نماز ادا فرمائی جب رکوع یا سجدہ کرنا چاہتے تھے تو بچی کو اتار دیتے اور جب

(۱) الادب المفرد: ۲۶، مسلم: ۲/۲۵۴، بخاری: ۲/۸۸۷ (۲) مسلم: ۲/۲۵۴ (۳) بخاری: ۱/۹۸، مسلم: ۱/۱۸۸، ابوداؤد: ۱/۱۱۵، نسائی: ۱/۱۳۲، ترمذی: ۱/۸۶ (۴) مسند احمد: ۵/۳۵۴، ابوداؤد: ۱/۱۵۸، نسائی: ۱/۲۰۹، ترمذی: ۲/۲۲۸

کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ اسی حالت میں آپ نے امامت فرمائی تھی۔(۱)

کبھی آپ بچوں سے مزاح وتفریح بھی فرمایا کرتے تھے ۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ کے نبی ﷺ نے یہ کہہ پکارا، اے دو کان والے۔ اس حدیث کے راوی اسامہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آپ نے ان سے مزاح فرمایا تھا۔(۲)

یہ چند مثالیں ہیں، جن سے آپ علیہ السلام کا بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہیں بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب جن سے حسن معاشرت قائم ہوتی ہے۔

پڑوسیوں سے حسن معاشرت:

حسن معاشرت کی تعلیم کا ایک اہم جزوحصہ وہ ہے جو پڑوسیوں کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کے متعلق ہے، کیونکہ پڑوس سے رابطہ وتعلق ہر آن ولمحہ برقرار رہتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے ان سے سابقہ پڑتا ہے۔لہٰذا معاشرت میں لطف وحسن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔

چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

ان مقامات پر حکم دیا گیا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرو اور لفظ احسان میں ہر بھلائی وخوبی نظر آجاتی ہے اور احادیث میں تو اس سلسلہ میں نہایت سخت تاکیدی احکامات آئے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسیوں کے بارے میں برابر وصیت ونصیحت فرماتے رہے حتی کہ میں نے یہ خیال کیا کہ شاید پڑوسی کو پڑوسی کا وارث قرار دیا جائے گا۔(۳)

---

(۱) بخاری:۸۸۷/۲،مسند حمیدی:۲۰۳/۱،مسلم:۲۰۵/۱ (۲) شمائل ترمذی:۱۵ (۳) ادب المفرد: ۲۸،مسلم:۳۲۹/۱، بخاری:۸۸۹/۲

ایک اورحدیث میں فرمایا کہ جوشخص اللہ پراور قیامت کے دن پرایمان رکھتاہے ،اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اوردوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جواللہ پراور قیامت کے دن پر ایمان رکھتاہے وہ اپنے پڑوسی کوتکلیف نہ پہونچائے۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔آپ سے پوچھا گیا کہ کون یارسول اللہ؟ فرمایا کہ وہ جس کی ایذاؤں اورتکلیفوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں ہے۔(۲)

پڑوسی کی خبر گیری ومدد کا حکم:

اسی طرح آپ نے پڑوسی کی خبر گیری کرنے اوراس کا تعاون کرنے کا حکم دیاہے۔حدیث میں آتاہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جوخود پیٹ بھر کرکھائے اوراس کا پڑوسی بھوکا ہو۔(۳)

مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کی خبر گیری کرنا چاہئے اوراگروہ بھوکا ہوتواپنے کھانے میں سے اس کو بھی دینا چاہئے ،اگرکوئی ایسانہیں کرتااورخودسیراب ہوتاہے توفرمایا کہ وہ کامل ایمان والانہیں ہوسکتا۔اسی لیے آپ نے صحابہ کوتعلیم دی ہے کہ اپنے سالن میں ذراپانی زیادہ کرواوراپنے پڑوسیوں کواس میں سے حصہ دو۔(۴)

حضرت نافع راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پرایک ایسازمانہ گذراہے کہ اس میں درہم ودینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ کوئی مستحق وحقدار نہیں سمجھا جاتا تھا۔پھراب یہ حال ہے کہ ہم کودرہم ودینار اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ محبوب ہوگئے ہیں۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے

(۱)بخاری:۸۸۹/۲،مسلم:۵۰/۱(۲)بخاری:۸۸۹/۲(۳)الادب المفرد:۲۹(۴)بخاری،ریاض الصالحین:۱۴۵

کہ بہت سے پڑوسی قیامت کے دن لوگوں کے دامن پکڑے ہوئے اللہ سے شکایت کریں گے کہ اے اللہ! یہ وہ ہے جس نے اپنا دروازہ مجھ پر بند کر دیا تھا، اور بھلائی سے مجھ کو روک دیا تھا۔[۱]

ان تمام احادیث سے واضح ہوا کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت کا تاکیدی حکم شریعت نے دیا ہے کہ ان سے سلوک اچھا ہو، ایذا و تکلیف نہ پہنچائی جائے ان کی خبر گیری کی جائے، اپنے کھانے میں سے ان کا بھی حصہ نکالا جائے، ضرورت پر اپنا دروازہ ان کے لیے بند نہ کرے۔

اپنی طرف بھی دیکھئے:

غور کیجئے کہ یہ حسن معاشرت کے قیام کے لیے کس قدر اہم وضروری اصول واحکام ہیں؟ مگر کیا آج مسلمان ان کے دسویں حصہ پر بھی عامل ہے؟ اس کا جواب نفی ہی میں دینا ہوگا۔ اسی لیے آج کوئی پڑوسی کسی پڑوسی سے خوش نہیں ہے، بلکہ شاکی ونالاں ہے، اس کو راحت وخوشی دینا تو دور کی بات ہے، آج ہم پڑوسی کو ہر طرح دکھ پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں اور جب سے ریڈیو، ٹی وی، ویڈیو کا زور چلا ہے، اس وقت سے تو پڑوسیوں کو راحت ملنا دشوار ہو گیا ہے کہ زور زور سے گانے بجانے کی آوازیں ان کی نیند وچین، راحت وآرام کو ختم کر چکی ہیں۔ مگر کوئی احساس نہیں ہے۔ اسی طرح ایک پڑوسی دوسرے کے گھر کے پاس گندگی اور کوڑا کرکٹ ڈال جاتا ہے، جس سے پڑوسی کو تکلیف ہوتی ہے، مگر اس کا احساس تک نہیں ہے، بلکہ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو تکلیف بھی دیتے ہیں اور اگر وہ آدمی اس سے کہدے کہ اس بات سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے کے بجائے جھگڑنے لگتے ہیں۔

---

(۱) الادب المفرد: ۲۹

دورِ رسالت کا ایک واقعہ:

ایسے لوگوں کا ایک عجیب علاج حضرت رسالت مآب ﷺ نے تجویز فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے پڑوسی سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے، پہلے آپ نے صبر کی تلقین کی، مگر جب وہ پھر شکایت لے کر آئے ،تو فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان باہر روڈ پر ڈال کر وہاں بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو آنے جانے والے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے لوگوں سے بتایا کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے، میں نے اللہ کے نبی علیہ السلام سے شکایت کی تو آپ نے مجھے اس طرح کرنے کا حکم دیا، یہ بات سن کر لوگ اس پڑوسی پر لعنت کرنے لگے اور یہ بات اس کو پہنچی کہ میری اس طرح رسوائی ہوگئی تو آ کر اس سے اس نے معافی مانگی اور مکان پر لے گیا اور وعدہ کیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ شرافت بھی اس دور کا خاصہ ہے الا ماشاءاللہ، ورنہ آج لوگ اس طرح کرنے سے بھی باز تو کیا آتے، ہوسکتا ہے کہ الٹا اس کو رسوا کرنے کی کوشش کریں۔غرض پڑوسی سے حسن معاشرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس سے اچھا سلوک کریں۔

پڑوسی کی ایذا پر صبر اور ایک عجیب واقعہ:

یہ تصویر کا ایک رخ ہے ،دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر ہمارے کسی پڑوسی سے ہم کو تکلیف ہو تو صبر سے کام لیں ۔اس پر ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس کو علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''الکبائر'' میں درج کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا ایک غیر مسلم پڑوسی تھا، اور اس کے گھر کے بیت الخلا سے ایک سوراخ ہو کر حضرت

(۱) الادب المفرد: ۳۲، ابوداود: ۲/۷۰۱

تستریؒ کے گھر میں نجاست آ کر گرتی ۔حضرت نے اس جگہ ایک برتن رکھ دیا، دن بھراس میں نجاست جمع ہوتی اور رات کوآپ لے جا کر کسی دور جگہ ڈال آتے۔ یہ سلسلہ برس ہابرس جاری رہا، جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آنے لگا تو آپ نے اس پڑوسی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کمرہ میں جا کر دیکھو کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ برتن ہے۔اوراس میں نجاست گررہی ہے۔آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک طویل عرصہ سے تیرے گھر سے اس طرح نجاست گرتی ہے اور میں دن میں جمع کر کے رات کو دور جگہ ڈال آتا تھا۔مگر اب اس لیے بتانا پڑا کہ میری موت قریب ہے اور شاید اس جگہ آنے والا دوسرا پڑوسی ایسے اخلاق نہ برت سکے۔یہ سن کر اس نے کہا کہ اے شیخ آپ تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں اور میں کفر پر رہوں۔آپ اپنا ہاتھ دیجئے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا۔(۱)

حسن معاشرت کے چند عام اصول:

حسن معاشرت کے قائم کرنے کے لیے جہاں حقوق وفرائض کی تعلیم دی گئی ہے، وہیں آداب واصول کی تلقین بھی فرمائی گئی ہے۔عام طور پر ان میں بھی ہم سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے اوران میں کوتاہی سے معاشرتی زندگی کا لطف ولذت ختم ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کو شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی اختلافات اور نزاعات چل پڑتے ہیں، اسلام مسلمانوں کو جس انداز کی معاشرتی زندگی سکھاتا ہے اس میں کسی کو کسی سے کوئی بے لطفی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

مسلمان کی تعریف:

یہی بات ہے جس کی بنیاد پر اللہ کے رسول علیہ السلام نے مسلمان کی تعریف میں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(۲)

(۱) الکبائر:۲۰۹۔۲۰۸ (۲) بخاری:۶/۱

مگر یاد رکھئے کہ اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان سے کفار کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں۔ میرے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مسلمان کے محفوظ رہنے کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ مسلمان کا میل جول اور اس کے تعلقات زیادہ تر مسلمان ہی سے ہوتے ہیں۔ جب مسلمان قریب رہتے ہوئے اور قریبی تعلقات کے ہوتے ہوئے بھی اس کی ایذا و تکلیف سے محفوظ رہتے ہیں تو کفار جو دور رہتے ہیں اور جن سے تعلقات زیادہ نہیں ہوتے وہ تو بدرجہ اولیٰ محفوظ رہیں گے۔ اسی طرح ہاتھ اور زبان کی قید اس لیے لگائی گئی کہ عام طور پر زبان سے اور ہاتھ سے ہی تکلیف پہنچتی ہے۔ لات کا نمبر تو اس کے بعد ہی آتا ہے، جب زبان اور ہاتھ ہی سے وہ تکلیف نہیں دیتا تو لات کیا مارے گا۔ تو خلاصہ یہ کہ مسلمان نہ مسلمان کو ایذا دیتا ہے اور نہ کافر کو، اور نہ زبان و ہاتھ سے دیتا ہے اور نہ کسی اور چیز سے۔ یہ ہے مسلمان کی تعریف کہ وہ ایسی معاشرت قائم کرتا ہے کہ کسی کو کوئی ایذا و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان آداب معاشرت و اصول معاشرت کو اپنایا جائے، جن کی تعلیم دی گئی ہے۔ میں یہاں چند امور کی طرف اشارہ کروں گا۔

❁ کسی کے گھر بے موقعہ بیٹھے رہنا:

حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے رسول علیہ السلام کا حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح ہوا اور آپ نے ولیمہ کیا تو لوگ آتے رہے اور کھا کر جاتے رہے، آخر میں تین آدمی کھانا کھا کر بھی بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول و منہمک ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار اور شاق گذری۔ مگر آپ نہایت حیادار انسان تھے آپ نے ان سے کچھ نہیں فرمایا، بلکہ خود ایک دم سے کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے تا کہ یہ

لوگ بھی اٹھ کر چلے جائیں۔مگروہ لوگ پھربھی وہیں بیٹھے رہے۔آپ وہاں سے اٹھ کر حضرت عائشہ اور دیگرازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجروں کو ایک نظر دیکھ آئے تو وہ لوگ اب بھی وہیں تھے،آپ پھر باہر آگئے اور حضرت عائشہ کے حجرے کی طرف گئے تو کسی نے خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے ۔ چنانچہ آپ حضرت زینب کے حجرے میں تشریف لے گئے ،اسی وقت آپ پر وحی نازل ہوئی ،اسمیں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ جب تم کو دعوت دی جائے تو گھر میں داخل ہو اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔یعنی باہر نکل آؤ،اور وہاں جی لگا کر باتوں میں نہ بیٹھ جاؤ۔ یہ بات اللہ کے نبی ﷺ کی تکلیف کا باعث ہے۔ (۱)

اس میں معاشرت کا ایک اہم اصول اور ادب بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی جگہ کسی وجہ سے جائیں تو وہ کام ہوتے ہی وہاں سے چلا آنا چاہئے ،یہ نہیں کہ وہیں باتوں میں بیٹھے رہیں،اس سے گھر کے لوگوں کو یا جہاں گئے ہیں ان لوگوں کو تکلیف ہوگی، ہر آدمی کو اپنی ضرورت وحاجت ہوتی ہے،اب یا تو دہ بے حیابن کر روک ٹوک کرے یا نہیں تو کلفت میں مبتلا رہے۔اس لیے اسلام نے تعلیم دی کہ کسی جگہ بے وجہ بیٹھا نہیں رہنا چاہئے۔

راستوں اور دروازوں پر بیٹھنا:

معاشرتی آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راستوں پر اور عام جگہوں پر بیٹھنا نہیں چاہئے ،کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے ۔بعض لوگ راستوں میں یا گھروں کے دروازوں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ رسول ﷺ نے راستوں پر بلا وجہ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ (۲)

ہاں کوئی خاص ضرورت پیش آجائے تو راستہ پر بیٹھ سکتے ہیں ،مگر اسلام نے

(۱) تفسیر ابن کثیر :۵۲۰/۳ (۲) مشکوۃ:۳۹۸

اس صورت میں بھی چند آداب کی تعلیم دی ہے۔ایسے موقعہ پران آداب کے ساتھ راستہ پر بیٹھنے کی اجازت ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے راستہ پر بیٹھنے سے منع کیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم تو راستہ پر بیٹھنے کے لیے مجبور ہیں کیونکہ ہم وہاں بیٹھ کر تمام ضروری امور پر بحث وتکرار کرتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم مجبور ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔(۱)

راستہ پر بیٹھنے کا حق وادب:

اس پر حضرات صحابہ نے پوچھا کہ راستہ کا کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے چند چیزوں کا ذکر فرمایا یہ چیزیں راستہ کا حق وادب ہیں۔

پہلی چیز آپ نے یہ بیان فرمائی کہ آنکھوں کا بند رکھنا یعنی حرام وغیر محرم پر نظر نہ ڈالنا اور نظروں کو نیچی رکھنا۔اسی طرح اس میں یہ بھی داخل ہے کہ بلا وجہ کسی کو نہ دیکھے، کیونکہ بسا اوقات ایک مرد بھی بلا وجہ دوسرے مرد کو دیکھتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے،اسی طرح گھروں میں نظر نہ پڑے اس طرح راستہ پر بیٹھے۔

دوسری چیز یہ فرمائی کہ کسی کو اذیت وتکلیف نہ پہنچانا۔مثلاً راستہ میں ایسی جگہ بیٹھنا جس سے لوگوں کو چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہو، یہ راستہ کے ادب وحق کے خلاف ہے،اسی طرح راستہ میں یا لوگوں کے گھر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا، جس سے دوسروں کے آرام میں خلل پڑتا ہو، تو یہ بھی ادب کے خلاف ہے، بعض لوگوں کی عادت ہے کہ کسی کے گھر کی سیڑھیوں پر یا چبوترے پر بیٹھے زور زور سے مذاق وتفریح کرتے یا باتیں کرتے رہتے ہیں، جس سے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔

---

(۱) بخاری: ۳۳۸۵، مسلم: ۳۹۶، ابوداود: ۴۱۸۱

تیسرا ادب یہ بتایا کہ آنے جانے والوں کے سلام کا جواب دیا جائے، یہ راستہ کا حق ہے۔اب تو لوگوں میں سلام کا رواج ہی ختم ہو رہا ہے، راستہ میں بیٹھنے والوں کو سلام کا جواب دینے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہاں ایک بات یاد آ گئی کہ اب لوگ سلام سے مراد ہاتھ اٹھا نا لیتے ہیں، حالانکہ سلام تو زبان سے ''السلام علیکم'' کہہ کر ہوتا ہے اوراس کے بجائے ہاتھ سے یا انگلی سے اشارہ کر کے سلام کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حدیث ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نہ تو یہود کے جیسے بنو اور نہ عیسائی جیسے بنو۔یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلی کے اشارے سے سلام کرتے ہیں۔(۱)

مگر افسوس کہ اب اسی کو مسلمانوں نے اختیار کرلیا ہے۔ اور جب تک دوسرا آدمی ہاتھ نہ اٹھائے تب تک لوگ اس کو سلام ہی نہیں سمجھتے اور اس سے یہ بدگمانی بھی قائم کر لی جاتی ہے کہ فلاں شخص سلام نہیں کرتا، حالانکہ وہ زبان سے کہتا ہے، مگر یہ اس کو سلام سمجھتے ہی نہیں، کیونکہ اس نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔غرض زبان سے السلام علیکم کہنا چاہئے نہ کہ ہاتھ کے اشارہ سے سلام پیش کرے۔غرض راستہ میں بیٹھنا ہو کسی ضرورت ومجبوری سے تو سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دینا چاہئے۔

چوتھی بات یہ فرمائی کہ بھلائی کی باتوں کا لوگوں کو حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے جو لوگ کسی ضرورت سے راستہ میں بیٹھیں ان کی اہم ترین ذمہ داری یہ بھی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں۔(۲)

اب غور کریں کہ آج راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو کتنی تکلیف پہنچائی جاتی ہے، پھر خود منکر میں مبتلا لوگ سڑکوں پر واہی تباہی میں مشغول ہوں تو وہ دوسروں کو کیا اچھی تعلیم دیں گے اور کیوں برائی سے روکیں گے؟ غرض راستوں پر فضول مجلس آرائی سخت ناپسندیدہ ہے۔

---

(۱)ترمذی:۹۹/۲ (۲) مشکوۃ:۳۹۸

گھر میں داخل ہونے کی اجازت:

ان ہی آداب میں سے ایک اہم ادب اسلام نے یہ تعلیم دیا ہے کہ کسی کے گھر جانا ہوتو پہلے داخلہ کی اجازت لو۔ جب اجازت مل جائے تب اندر آؤ۔ یہ حکم قرآن پاک میں بھی موجود ہے اور حدیث میں بھی موجود ہے۔ کسی کے گھر میں بلکہ خود اپنے گھر میں بلا اجازت، بے دھڑک داخل ہو جانا، ادب کے خلاف ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آئے اور سوال کیا کہ کیا جب میں اپنی والدہ کے پاس جاؤں تو اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ میں ماں کے ساتھ اسی گھر میں رہتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں تب بھی اجازت لو۔ اس آدمی نے کہا کہ میں تو ان کا خدمت گذار ہوں (اس لیے بار بار آنا جانا پڑتا ہے تو کیا پھر بھی اجازت لینا ضروری ہے؟) آپ نے فرمایا کہ ہاں اجازت لو۔ بتاؤ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم ماں کو عریاں دیکھو (یعنی اگر کبھی وہ کسی ضرورت سے برہنہ ہوئیں اور تم بلا اجازت چلے گئے تو کیا ہوگا) لہٰذا اجازت لینا چاہئے۔(۱)

اور ایک صاحب نے حضرت ابن عباسؓ سے جب بہن کے پاس (جو انہی کے گھر میں رہتی تھیں) داخلہ کے لیے اجازت کے بارے میں سوال کیا تو یہی جواب دیا۔(۲)

جب اپنے گھر میں اپنے لوگوں کے پاس جانے کے لیے ضرورت ہے کہ اجازت لی جائے تو دوسرے کے گھر میں جانے کے لیے تو اور زیادہ ضرورت ہے۔ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر اجازت اگر کوئی آجائے، داخل ہو جائے تو اللہ کے رسول علیہ السلام اس کو واپس جا کر اجازت لے کر آنے کے لیے فرماتے تھے۔ چنانچہ

(۱) مؤطا امام مالک: ۳۸۰ (۲) الادب المفرد: ۲۱۲

کلدہ بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اللہ کے نبی کی خدمت میں صفوان بن امیہ کے دیئے ہوئے تحائف لے کر گیا اور بغیر سلام واجازت کے داخل ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور سلام کر اور اجازت لے۔(۱)

غرض یہ کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ جانا چاہئے، یہ اصول معاشرت کے خلاف ہے، اس لیے اجازت لے کر جانا چاہئے۔

دو آدمیوں کے درمیان نہ گھسو:

اسی سلسلہ کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان بات چیت ہورہی ہے تو حکم ہے کہ ان کے درمیان نہ جاؤ، ہاں وہ اجازت دیدیں تو درست ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان جا کر نہ بیٹھو، جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لو۔(۲)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی گفتگو ہورہی ہو جو وہ دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہوں، اب یہ بلا اجازت جائے گا تو ان کو ناگوار ہوگا یا یہ اس بات پر مطلع ہوجائے گا، اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کی باتوں پر مطلع ہونا جو وہ بتانا نہ چاہتے ہوں یا ایسی جگہ جانا جہاں کے لوگ اس وقت اس کو ناگوار سمجھیں، درست نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ:

لہٰذا چوری سے کسی کی بات سننا کسی طرح جائز نہیں۔ بعض لوگ دوسروں کی باتیں چھپ کر سن لیتے ہیں، بعض لوگ دوسروں کا خط بلا اجازت پڑھ لیتے ہیں، یہ جائز نہیں۔ یاد آیا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب آخری زمانہ میں آنکھوں سے

(۱) ترمذی:۲/۱۰۰، ابوداؤد:۲/۷۰۳ (۲) ترمذی:۲/۱۰۴، ابوداؤد:۲/۶۶۵

معذور ہو گئے تو ان دنوں جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہاں پہنچ کر بلا اطلاع کبھی نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ جاتے ہی کہہ دیتے کہ ''اشرف علی حاضر ہوا ہے'' اور جب واپس ہونا چاہتے تو فرماتے کہ ''اشرف علی جارہا ہے'' اور اس کی وجہ خود بیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے کرتا تھا کہ حضرت گنگوہیؒ کو کوئی ایسی بات کرنی ہو جو وہ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں تو وہ اس وقت بیان نہ کریں کیونکہ حضرت کی آنکھیں نہیں تھیں، نظر نہیں آتا تھا، جا کر اگر کوئی بیٹھ جائے تو پتہ نہ چلتا، اس لیے کہہ دیتا کہ اشرف علی حاضر ہے۔ مگر افسوس کہ آج بعض لوگ دوسروں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔

غرض یہ کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے دو آدمیوں کے درمیان گھسنے سے منع فرمایا جب کہ ان کی اجازت نہ ہو۔

۞ کسی کے گھر میں جھانک تاک کرنا:

حسن معاشرت کی ان جزئیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت و بلا اطلاع جھانک تانک کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے حجرہ میں سوراخ سے یا دروازہ سے جھانک رہا تھا، آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے جھانک رہا ہے تو میں اس کنگھی سے (اس وقت آپ کے ہاتھ میں کنگھی تھی) تیری آنکھ میں مارتا۔(۱)

الغرض اسلام چاہتا ہے کہ زندگی حسن ولطف سے گذاریں۔

یہ چند اصول و احکام پیش کیے گئے ہیں۔ (واللہ الموفق)

---

(۱) الادب المفرد: ۵۹۹/۲

ضمیمہ

رشتہ داروں سے حسن سلوک:

یہ بات ہر اس شخص پر آشکارا ہے جو اسلامی تعلیمات سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھتا ہے کہ اسلام ایک طرف اللہ کی عبادت واطاعت، اس کی طرف رجوع وانابت، اس پر اعتماد وتوکل، اور ہر کام میں اخلاص وللّٰہیت کی دعوت دیتا ہے ،تو دوسری طرف مخلوق کی خدمت، اس پر شفقت، اس سے ہمدردی وغمخواری، اور اسکے ساتھ حسن سلوک کی بھی تعلیم دیتا ہے، اسی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ان سے محبت و پیار، ان کی خدمت بھی داخل ہے اور اسی کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

اس موضوع کی آج کل سخت ترین ضرورت ہے، کیونکہ آج لوگوں میں رشتہ داری کا کوئی مقام واہمیت ہی باقی نہیں رہی ،معمولی معمولی باتوں پر رشتہ توڑ لیتے ہیں، حتی کہ ایک دوسرے رشتہ دار کا جانی دشمن بن جاتا ہے۔بعض لوگ ایک دوسرے کے گھر نہیں جاتے، ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے، ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتے، یہ باتیں آج بہت عام ہوگئی ہیں۔حتی کہ ان چیزوں کو لوگ کوئی گناہ کا کام نہیں سمجھتے، بلکہ بعض لوگ فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے اس کو یوں کر دیا اور یوں کہہ دیا، اس لیے ضرورت معلوم ہوئی کہ اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔

صلہ رحمی کی اہمیت:

اسلام میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داری کو جوڑے رکھنے کی بڑی اہمیت اور تاکید ہے۔اور اس میں کوتاہی کرنے پر سخت وعید بھی آئی ہے، اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے ساتھ رشتہ داری کے حقوق کا بھی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِه وَالْاَرْحَامَ۔﴾ (سورہ نساء)
(یعنی اللہ سے ڈرو جس کے نام سے تم سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں سے ڈرو) اس میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دینے کے ساتھ، رشتہ داری سے ڈرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ رشتہ داری سے ڈرنا کیا ہے؟ یہ نہیں کہ رشتہ داروں سے ڈر کر ان کے پاس ہی نہ جائے، بعض لوگ اس قسم کے جملوں سے ایسے غلط مطلب نکال لیتے ہیں، یہ لفظوں کے چکّر میں پڑنے کا نتیجہ ہے، جو لوگ لفظوں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور محاورہ سے واقف نہیں ہوتے، وہ بڑی گڑ بڑ کرتے ہیں۔ جیسے ایک شخص کا واقعہ ہے۔

ایک مزاحیہ حکایت:

ایک مرتبہ ایک شخص جا رہا تھا، راستہ میں ایک جگہ اس کے دوست کو اس کا دشمن پیٹ رہا تھا، یہ شخص دوڑ کر دوست کے پاس گیا، دوست بہت خوش ہوا کہ اس پریشانی و درماندگی میں دوست مل گیا، کچھ ساتھ دے گا اور میرے دشمن کو مار بھگائے گا، مگر یہ شخص دوست کے پاس جا کر دوست کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا کہ وہ حرکت بھی نہ کر سکے، اب دشمن کو اور اچھا موقع ہاتھ آیا کہ مزاحمت کے بغیر مار سکتا ہے، چنانچہ خوب مار کر چلا گیا، دشمن کے جانے کے بعد اس نے دوست کا ہاتھ چھوڑا، تو دوست نے غصہ ہو کر کہا کہ تم بھی عجیب دوست ہو کہ میرے ہاتھ پکڑ کر تم نے دشمن کو موقع فراہم کیا کہ مجھے اچھی طرح مارے، کیا یہی دوستی کا حق ہے جو تم نے ادا کیا ہے؟ اس پر وہ شخص کہنے لگا کہ شیخ سعدی نے ایسا ہی کرنے کو لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ؎

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست ☆ در پریشان حالی و درماندگی
(کہ دوست وہ ہے جو پریشان حالی میں دوست کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

اس لیے میں نے بھی آپ کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اگر اس کو پتہ ہوتا کہ محاورہ میں

ہاتھ پکڑنے کا کیا مطلب ہوتا ہے تو وہ ایسی غلطی نہ کرتا۔

غرض اس آیت میں بھی کوئی یہ مطلب نہ لے لے کہ رشتہ داری سے ڈرو، یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ سے ڈر کر اس کے حق ادا کرتے ہیں، اسی طرح رشتہ داری کے حقوق بھی ادا کرو، اور رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے کا نام ہی صلہ رحمی ہے، اس لیے حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ وغیرہ حضرات نے اس کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ مراد یہ کہ صلہ رحمی کرو(۱)

چنانچہ ایک دوسری آیت میں صاف آیا ہے ﴿وَآتِ ذَالْقُرْبیٰ حَقَّهُ﴾ رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو، اس سے اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

صلہ رحمی کی فضیلت:

پھر اسلام نے اس عمل کی فضیلت بھی بیان فرمائی تا کہ لوگ اس اہم کام کی طرف رغبت کریں، اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، اور اس عمل کے متعدد فضائل ان میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بعض فضائل آخرت سے متعلق ہیں اور بعض فضائل دنیا کے بارے میں ہیں۔

اخروی فوائد وفضائل:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشتہ داری، رحمان کی ایک شاخ ہے (یعنی اللہ کی رحمت کی ایک شاخ ہے) جو اس کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو جوڑیں گے اور جو اس کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو توڑیں گے۔ (۲)

غور فرمایئے کہ اس حدیث میں رشتہ داری کو جوڑنے کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اللہ اس کو جوڑے گا۔ اور اللہ کے جوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنے تعلق کو قائم فرمائے گا۔ جس کا تعلق اللہ سے ہوجائے۔ اس کی عظمت کا

---

(۱) ابن کثیر: ۱/۴۴۸، (۲) الادب المفرد: ۱۸۰

کیا ٹھکانہ ہے؟ لوگ بڑے لوگوں سے تعلق ہو جائے تو پھولے نہیں سماتے اور اس کے لیے ان کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اور یہاں دیکھئے کتنا آسانی سے اللہ سے تعلق قائم ہوسکتا ہے، مگر پھر بھی ہم غافل ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے، آپ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ شرک نہ کر، نماز قائم کر، زکوۃ ادا کر، اور صلہ رحمی کر۔ (۱)

اس حدیث میں جنت میں لے جانے والے اعمال میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے صلہ رحمی کا بھی ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ رشتہ داری قائم رکھنا جنت کا عمل ہے۔ حضرات! ذرا سوچئے کہ کیا ہم کو جنت میں نہیں جانا ہے پھر اس عمل سے غلفت کیوں؟

دنیوی فوائد و فضائل:

یہ تو اُخروی فوائد و فضائل تھے۔ اب لیجئے اس عمل کے دنیوی فضائل اگر ہم کو آخرت محبوب نہیں تو کم از کم دنیوی فوائد ہی کے لیے اس عمل کو کر کے دیکھ لیجئے، ویسے مومن کے نزدیک اصل چیز آخرت ہی ہے، دنیا میں کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، وہ تو آخرت کا فائدہ دیکھتا ہے، مگر اسلام کی تعلیمات ایسی ہیں، جن میں آخرت کا فائدہ تو ہے ہی دنیا کا بھی فائدہ ہے۔ سنئے، اللہ کے نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اس کا رزق زیادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر لمبی کر دی جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (۲)

اس حدیث پاک میں صلہ رحمی کے دو فائدے اور بڑے بڑے فائدے ذکر

(۱) بخاری:۲/۸۴۴ (۲) بخاری:۲/۸۸۵، الادب المفرد:۱۸

فرمائے ہیں، ایک یہ رزق بڑھتا ہے، دوسرے یہ کہ عمر بڑھتی ہے دنیا میں آدمی یہی دو چیزیں چاہتا ہے کہ عمر لمبی ہو اور اس عمر میں آرام سے گذارہ ہو جائے، یہ دونوں باتیں صلہ رحمی سے حاصل ہو جاتی ہیں۔

ایک شبہ کا جواب:

اس حدیث پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسان کی عمر مقرر ہے۔ پھر اس کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے کہ مثلاً ساٹھ سال کی عمر والا ستر سال تک زندہ رہے گا۔ یا کم از کم ایک دو سال کی عمر بڑھ جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک عمر بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ عمر میں برکت ہوگی۔ جس سے بہت سی نیکیاں وہ کر سکے گا۔ تو عمر ساٹھ ہی رہے گی مگر کام اتنا ہوگا کہ سو سال والے بھی نہ کر سکیں۔ چنانچہ بہت سے بزرگوں کو دیکھا گیا کہ انہوں نے اپنی عمر میں اتنا کام کیا کہ دوسرے لوگ اس سے دس گنا زیادہ عمر بھی پائیں تو نہ کر سکیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بتاتے ہیں کہ اس کی اتنی عمر ہے۔ پھر جب وہ صلہ رحمی کرتا ہے تو فرشتوں کو بتاتے ہیں کہ اس کے عمل کی وجہ سے اتنی عمر زیادہ کر دی گئی تو عمر کی زیادتی فرشتے کے علم کے اعتبار سے ہے۔ (۱)

غرض صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق میں اور عمر میں اضافہ و برکت دی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی اور عمدہ اخلاق شہروں کی آبادی، عمروں میں زیادتی کا سبب ہیں۔ (۲)

اس حدیث میں عمر کی زیادتی کے ساتھ، صلہ رحمی کا ایک اور فائدہ ذکر کیا گیا ہے وہ کیا؟ شہروں کی آبادی یعنی جب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن اخلاق سے پیش آئیں گے تو محبت و الفت پیدا ہوگی، فساد و شر ختم ہوگا۔ آبادی

(۱) فتح الباری: ۱۰/۴۷۶ (۲) فتح الباری: ۱۰/۴۱۵

بڑھے گی، ورنہ خود ہی مر کر ختم ہوتے رہیں گے۔

قطع رحمی کا وبال:

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالیے کہ صلہ رحمی نہ کرنے اور رشتہ داری کو توڑنے پر کیا وبال آتا ہے؟ ایک حدیث اوپر گذری ہے جس میں فرمایا کہ رشتہ داری کو جو توڑتا ہے، اس کو اللہ توڑتا ہے، یعنی اپنا تعلق توڑ دیتا ہے، اس کے علاوہ یہ احادیث بھی عبرت ناک ہیں۔

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں رشتہ کو توڑنے والا ہو۔(۱)

(۲) ایک حدیث میں ہمارے نبی حضرت محمد عربی ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں کہ آخرت کے عذاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اسکے مرتکب کو جلدی عذاب دیدیں۔(۲)

یعنی دو گناہ ایسے ہیں کہ دنیا میں بھی ان پر جلدی عذاب میں گرفتار کر دیا جاتا ہے اور جو آخرت کے عذاب ہیں وہ الگ۔

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ بنی آدم کے اعمال ہر جمعہ کی رات اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں مگر قطع رحمی کرنے والے کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔(۳)

(۴) بخاری وغیرہ میں حضرت جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشتہ توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔(۴)

ان احادیث پر غور کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس پر وبال بتایا گیا ہے جو رشتہ کو توڑتا ہے۔ اس جگہ ایک قصہ یاد آ گیا جو علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ

---

(۱) الادب المفرد:۱۹ (۲) الادب المفرد:۲۰، ابوداوٗد:۶۷۲/۲ (۳) الادب المفرد:۱۸

(۴) بخاری:۸۸۵/۲

ایک عجیب واقعہ:

وہ یہ کہ ایک مالدار آدمی حج کو گیا اور اپنا مال مکہ کے ایک امانت دار شخص کے پاس امانت رکھ دیا، اور عرفہ کے وقوف وحج سے فراغت کے بعد جب اپنا مال لینے گیا تو پتہ چلا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ بھی علم ہوا کہ اس کی امانت کے بارے میں اس کے رشتہ داروں کو کچھ بھی علم نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کا مسئلہ سن کر کہا کہ آدھی رات میں زمزم کے کنویں میں اس کو پکارو کہ اے فلانے! اگر وہ جنتی ہے تو جواب دے گا، وہ گیا پکارا، مگر کوئی جواب نہیں ملا، علماء نے مشورہ دیا کہ بیر برھوت (جو یمن کا ایک کنواں ہے) اس میں اس کو پکارو، اگر وہ دوزخی ہے تو وہاں سے جواب دے گا۔ اس نے جا کر پکارا تو جواب ملا اور اس کی امانت کے بارے میں اس نے بتا دیا کہ فلاں جگہ رکھی ہے۔ اس آدمی نے اس سے پوچھا کہ تم دوزخ میں کس طرح چلے گئے، جب کہ ہم تمہارے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میری ایک بہن تھی جس سے میں نے قطع تعلق کر رکھا تھا، اس کی سزا میں مجھے یہاں دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔(۱)

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ رشتہ توڑنا دوزخ میں لے جانے والا عمل ہے، اس لیے رشتہ داری کا حق ادا کرنا چاہئے۔

رشتہ داری کا حق کیا ہے:

اب رہی یہ بات کہ رشتہ کو کس طرح جوڑا جائے اور اس کے حق کو کس طرح ادا کرنا چاہئے اور اس کے حقوق کیا ہیں؟ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ صلہ رحمی مال سے ہوتی ہے، حاجت وضرورت میں مدد کرنے سے ہوتی ہے، ضرر کو دفع کرنے سے ہوتی ہے

(۱) الکبائر: ۴۹

خوشی سے ملاقات کرنے سے ہوتی ہے، دعا خیر کرنے سے ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ اچھائی جو ممکن ہو وہ پہنچانا اور طاقت کے بعد شر سے بچانا یہ صلہ رحمی کا حاصل ہے۔(۱)

کیونکہ رشتہ داری کو جوڑنے سے یہی مراد ہے کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کیے جائیں، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔﴿فآت ذالقربیٰ حقه﴾(روم:۲۷) (کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو) تو گویا یہ آیت تفسیر ہے، ان آیات کی جن میں رشتہ داری کو جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہوا کرتی ہے۔ غرض یہ کہ صلہ رحمی یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق کیا ہیں؟ ہم یہاں چند اہم حقوق کو بیان کرتے ہیں:

حسن سلوک:

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے اور ان کا حق ہے، قرآن مجید نے صاف طور پر اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرمایا:﴿وبالوالدین احسانا وذی القربی﴾(بقرہ:۸۳) (اور والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو)

اس میں جس طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح اہل قرابت کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

مالی تعاون:

رشتہ داروں کا ایک حق یہ ہے کہ ان کا مالی تعاون بھی کیا جائے، اگر وہ ضرورت مند ومحتاج ہوں۔ قرآن میں متعدد مواقع پر اہل قرابت کو اپنے مال میں سے دینے کا حکم دیا گیا ہے، ایک جگہ فرمایا:﴿قلماانفقتم من خیر﴾الخ (بقرہ:۲۱۵)(یعنی

---

(۱) فتح الباری:۱۰/۴۱۸

اللہ کے راستہ میں جو تم خرچ کرتے ہو یہ والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دینا ہے)۔

معلوم ہوا کہ رشتہ داری کا ایک حق یہ ہے کہ ان کو مال میں سے بھی حسب ضرورت ہدیہ کرے، یا اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا نفقہ وخرچہ اپنے ذمہ لے لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ:

جیسے حدیث میں ہے کہ جب قریش قحط سالی میں مبتلا ہوئے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ سڑی ہوئی ہڈی کھانا پڑا تو اس وقت اللہ کے نبی علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص قریش میں خوش حال نہ تھا۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا کہ چچا جان آپ کے بھائی ابو طالب کے یہاں اولاد زیادہ ہے اور قریش کو جو پریشانی ومصیبت آئی ہے، وہ تو آپ کو معلوم ہے، آپ اور میں جا کر ان کے بعض بچوں کو لے آئیں اور ان کی پرورش کریں۔ چنانچہ اللہ نبی علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں ابو طالب کے پاس گئے اور اللہ کے نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی پرورش میں لے لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ اور ان کی تربیت وپرورش کرتے رہے۔(۱)

حضرات! آج ہم لوگوں کا کیا حال ہے؟ خاندان میں کئی محتاج لوگ اپنی بچیوں اور لڑکیوں کی پرورش وتعلیم کے لیے پریشان ہیں، اگر خاندان کے مالدر لوگ ایک ایک بچہ کی ذمہ داری بھی لے لیں تو کس قدر ان کو سہارا ملے، مگر افسوس کہ آج یہ حکم ہم نے بھلا دیا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکرِ جمیل:

حالانکہ اس حق کا اتنا تاکیدی حکم ہے کہ اگر کسی رشتہ دار کی طرف سے تکلیف

(۱) حیاۃ الصحابہ:۶۲۲/۲

پہنچ جائے تو بھی اس حق کو ساقط کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک خالہ زاد بھائی تھے حضرت مسطح بن اثاثہ یہ بہت ہی محتاج وضرورت مند تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کی مدد فرماتے رہے، بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی پرورش حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے پاس ہوئی۔ ایک دفعہ بڑا سنگین حادثہ پیش آیا وہ یہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگادی اور اس کا پروپیگنڈہ کیا، بعض لوگ بغیر تحقیق سنی سنائی باتوں پر یقین کرلیتے اور اس کو پھر پھیلا بھی دیتے ہیں۔ یہ مسطح بن اثاثہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے، وہ بھی اسی طرح منافقوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں غلط بات کا پروپیگنڈہ کرنے لگے، جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہایت درجہ ناگواری اور تکلیف ہوئی، اور یہ فطری بات بھی تھی، لہٰذا آپ نے قسم کھالی کہ میں مسطح کو اب کوئی نفع نہ پہنچاؤں گا۔

حضرات! غور کیجئے کہ حضرت عائشہ جیسی مقدس ہستی پر الزام تراشی کرنے والوں کے ساتھ ہوجانے والے رشتہ دار پر اگر حضرت ابوبکر ناراض ہوں اور قسم کھالیں تو غلط تو نہیں؟ مگر خدائے مہربان کی مہربانیوں پر نظر فرمائیے کہ اس نے آیت کریمہ نازل فرمادی۔ سورہ نور میں ہے ﴿ وَلَايَاتَلِ اُولُوْالْفَضْلِ مِنْكُم ﴾ الخ (سورہ نور:۲۲) جس میں حاصل یہ ہے کہ اہل فضل واہل وسعت لوگوں کو اس طرح قسم نہیں کھانا چاہئے کہ رشتہ داروں اور مسکینوں وغیرہ کو ہم نہیں دیں گے وغیرہ۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ پھر ان کو دینے لگے اور فرمایا کہ میں کبھی ان کا خرچہ نہ روکوں گا۔(۱)

---

(۱) بخاری:۶۹۸/۲

غرض رشتہ داری کا اتنا بڑا حق ہے کہ اس قدر نا گوار امر پیش آنے کے بعد بھی مالی تعاون سے ہاتھ روکنا، اچھا نہیں قرار دیا گیا، تو یہ بڑا حق ہے کہ رشتہ دار اگر محتاج ہوں تو ان کا تعاون کیا جائے۔

دوہرا اجر ملے گا:

اور اس میں دوہرا اجر ملے گا جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک تو محتاج وضرورت مند کی مدد کرنے کا اجر، دوسرا صلہ رحمی و رشتہ داری کا حق ادا کرنے کا اجر، چنانچہ امام ترمذی نے حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محتاج و مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔(۱)

غرض رشتہ داری کی بنیاد پر خرچ کرنا، یہ خود بھی بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ صدقہ کا صدقہ اور رشتہ داری کا حق بھی، اس لیے اس پر دوہرا ثواب و اجر ہے۔

حاجت وضرورت پر کام آنا:

رشتہ داری کا ایک حق یہ ہے کہ رشتہ داروں کی حاجت وضرورت پر ان کے کام آئے، مال کے سوا اور بھی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں، مثلاً کسی کام کی سفارش کسی سے کر کے رشتہ دار کا کام بنا دینا، یا کوئی کام اٹکا ہوا ہے اور اپنے اندر طاقت وصلاحیت ہے کہ اس کام کو انجام دے تو وہ کام کر دینا چاہئے۔ حدیث میں عام لوگوں کے کام کر دینے اور ان کی ضرورت میں کام آنے پر بہت بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایسا شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس کے مانند ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔ یہ روایت بخاری میں ہے۔(۲)

---

(۱) ریاض الصالحین: ۱۳۴ (۲) بخاری: ۸/۸۸۸

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت میں اس کے کام آتا ہے، اللہ اس کی حاجت میں اس کے کام آتا ہے اور جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی کوئی پریشانی دور کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی پریشانی دور کرتا ہے۔(۱)

غور فرمایئے کہ جب ایک مسلمان بھائی کی ضرورت میں اس کے کام آنے اور اس کی پریشانی کو دور کرنے پر یہ اجر وثواب ہے تو پھر اپنے رشتہ دار کی ضرورت پر اس کے کام آنے پر کتنا ثواب ملے گا؟ مگر آج کے دور میں رشتہ داری کا یہ حق بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ضرورت پر کام آنے کو لوگ معیوب سمجھنے لگے ہیں، افسوس تو یہ ہے کہ دوسروں کی مصیبت پر غم نہیں ہوتا، رنج نہیں ہوتا۔

ایک انسانیت سوز واقعہ:

اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک صاحب کو ایک اہم معاشی ضرورت میں پندرہ ہزار روپیوں کی ضرورت تھی ،اس کے لیے وہ اپنے ایک رشتہ دار کے پاس گئے اور بطور قرض پندرہ ہزار روپئے کا سوال کیا، پہلے تو اس رشتہ دار نے کہا کہ سوچ کر کل جواب دوں گا۔ جب دوسرے دن یہ پہنچے تو انکار کر دیا کہ اس وقت دینے کی گنجائش نہیں ہے۔اس واقعہ کے چند دنوں بعد غالبًا ایک ماہ بعد ان رشتہ دار کے گھر ان کی لڑکی کی شادی ہوئی، جس میں نہایت درجہ اسراف وفضول خرچی سے کام لیا گیا اور کئی لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ آج انسانیت وہمدردی کا نام بھی باقی نہیں ہے، جو لوگ کئی لاکھ روپئے فضول اڑا سکتے ہیں، وہ کیا انسان اور وہ بھی رشتہ دار کو صرف قرض نہیں دے سکتے؟ آج اپنی فضولیات پر انسان لاکھوں خرچ کرنے

(۳) ریاض الصالحین: ۱۰۴

تیار ہے، مگر بھائی کی ضروریات پر بھی اس کے کام آنا نہیں چاہتا۔

اس سے زیادہ تعجب یہ کہ زبانی تعاون بھی کرنا گوارا نہیں کرتے کہ کسی سے کوئی سفارش کردیں اور اپنے رشتہ دار کا کام بنادیں، حالانکہ یہ بھی ایک نیکی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ کسی کی نیکی میں سفارش کرنے سے اس نیکی میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔غرض یہ کہ اپنے رشتہ دار کا حق ہے کہ اس کی ضروریات میں اس کے کام آئے۔

دفع مضرت:

رشتہ داری کا ایک حق یہ ہے کہ اس پر کوئی مصیبت و پریشانی آئی ہے تو اس کو دفع کرنے میں اسکا تعاون کرے۔مثلاً کسی کو بلا وجہ گرفتار کرلیا گیا،تو اس پر یہ ایک مصیبت ہے، اس کو دفع کرنے کی تدبیر کرنا اور کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور اس کا ثواب حدیث میں بتا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پریشانی دور کردے گا جو کسی کی پریشانی دور کرتا ہے جیسا کہ ابھی وہ حدیث عرض کر چکا ہوں۔

لغزشوں سے درگزر کرنا:

ایک حق رشتہ داری کا یہ ہے کہ رشتہ دار سے اگر کوئی لغزش ہوجائے،تو درگذر کردے، معاف کرے۔علامہ ابن حجرؒ نے رشتہ کے حقوق بتاتے ہوئے فرمایا ہے **(والتغافل عن زلاتھم)**، کہ ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا بھی ان کا حق ہے۔

مگر یہ صفت بھی آج عنقا ہوگئی ہے، ذرا ذرا سی بات پر قطع تعلق کر لیتے ہیں حتی کہ جنازہ میں شرکت نہیں کرتے یہ انتہائی درجہ کی قساوت قلبی ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان بھائی کا ایک حق یہ ہے کہ اس کے عذر کو قبول کرو، اور دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن تک بات نہ کرے، یہ عام مسلمان کے بارے میں آیا ہے تو رشتہ

دار کا کیا حکم ہوگا، مگر دیکھئے کہ آج اس میں کتنی غفلت برتی جارہی ہے۔اس لیے یاد رکھنا چاہیئے کہ لغزش تو ہرایک سے ہوتی ہے ،مگراس کومسئلہ نہ بنایا جائے ،معاف کردیں، درگذر سے کام لیں، جیسا کہ حضرت ابوبکرصدیق کوحکم دیا گیا کہ مسطح کی لغزش کومعاف کرکے ان کونفقہ دو۔

ان حقوق کے علاوہ اوربھی حقوق ہیں ،مثلاً کبھی کبھی رشتہ داروں کی زیارت کوجانا اور بیمار ہوجائیں تو عیادت کرنا،کبھی کبھی تحفہ بھیجنا یا لے جانا،ان کے حق میں دعا کرتے رہنا وغیرہ۔

اب سوچئے کہ جب اس طرح رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے گی تو معاشرت میں حسن ولذت کیونکر نہ پیدا ہوگی؟ ضرور بالضرور اس زندگی میں لذت ولطف،راحت ورحمت کے آثار دکھائی دیں گے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان